غزل

تسنیم فاروقی

یہ وعدہ ان کا ہے مشکل ہے جو تعمیل تک پہنچے
ہماری آرزو کب دیکھیے تکمیل تک پہنچے

جنوں کیوں ہے جنوں کیا ہے جنوں یہ ہے جنوں وہ ہے
بہت پہنچے تو یارانِ خرد تاویل تک پہنچے

کوئی آساں نہیں ہے چڑھتے دریا میں اُتر جانا
پہنچنے کو تو لاتعداد لشکر نیل تک پہنچے

وہ جان داستاں تمہید کا موقع نہیں دیتا
کہانی دیکھیے کس دن مری تفصیل تک پہنچے

نئے قلموں کے وارث اور کچھ کرتے تو کیا کرتے
کبھی ابلاغ تک آئے کبھی ترسیل تک پہنچے

نگہ میں لائے ہیں ان کے چراغ دیدۂ نم کو
کنول کی جستجو میں آج ہم بھی جھیل تک پہنچے

بہت آساں ہے جس کی لَو سے شہروں کو جلا دینا
مزہ جب ہے وہ چنگاری کسی قندیل تک پہنچے

ہزاروں قافلے لوٹے گئے، لوٹے گئے ہوں گے
پہنچنا تھا جنہیں منزل کے سنگِ میل تک پہنچے

ہمیں اس خاک پر تسنیم ابھی کچھ گل کھلانا ہیں
ہمارا عزم یہ ہے یہ چمن تشکیل تک پہنچے

اِدھر بھی ایک نظر

کلامِ صوفی: قیمت: چالیس روپے

حضرت سید عبدالرب صوفی رحمۃ اللہ علیہ کا منتخب کلام ایک مردِ مومن کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی پکار جس کے لفظ لفظ سے امت کا درد اور للّٰہیت ٹپکتی ہے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم اور شاہ محمد ابراہیم ایم۔ اے کے بیش بہا مقدمات سے مزین۔ کاغذ۔ کتابت۔ طباعت۔ جلد۔ ہر چیز معیاری۔

کتاب کے ابواب: حمدؔ۔ نعتؔ۔ مدح صحابہؓ۔ یادِ حرم۔ ایمانی شجاعتؔ۔ اصلاحِ امت۔ تحریکِ اذان۔ دردِ ملت۔ روحِ عشق۔ مناظرانہ جوابات۔ رموزِ فطرتؔ۔ سوزِ عشقؔ۔ اللہ والوںؒ سے محبت۔ دعائیں۔

ہر باب کے ذیل میں گوناگوں عنوانات۔ پانچ سو سے زائد صفحات۔ سائز ۱۷×۲۲

اہم سفر: قیمت: چار روپے

قرآن وحدیث اور بزرگوں کے کلام سے ایسے مؤثر مضامین۔ حکایات اور اشعار جو سفرِ آخرت کی تیاری کی فکر پیدا کردیں، نیز اس سفر سے متعلق مسائل بھی۔

تحریکِ ایمان: قیمت: دو روپے

تبلیغی کام اور دینی دعوت سے متعلق حضرت سید عبدالرب صوفی رحمۃ اللہ علیہ کی دل گداز اور پُرسوز نظمیں جن پر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کا مبسوط اور مؤثر پیش لفظ بھی ہے۔

زبانی نصاب: قیمت: چار روپے

مسنون دعائیں۔ اسلامی آداب۔ اور دینی جذبہ کو اُبھارنے والی نظموں کا مجموعہ مکاتیبِ اسلامیہ کے نصاب میں داخل کئے جانے کے لائق کتاب۔

نقشہ دینی نصاب: قیمت: پچاس پیسے

قرآن مجید صحیح پڑھنے پڑھانے کے ضروری قواعد۔ تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں مفید ہدایات۔ کم وقت میں ضروریاتِ دین پڑھانے کا نصاب وغیرہ۔

روزی میں برکت اور بلاؤں سے حفاظت کے لئے

آسان رزق (اردو) تین روپے۔ آسان رزق (گجراتی) تین روپے۔
آسانی روٹی ڈیڑھ روپیہ — راہِ امن ایک روپیہ

ملنے کا پتہ: محمد یونس صدیقی، خادم مدرسہ دعوۃ الحق۔ کڈی۔ اتر گجرات
P.O. KADI. N. GUJRAT.

ہماری اور اپنی پریشانی دور کیجئے!

دفتر تعمیرِ حیات میں اکثر وبیشتر تعمیرِ حیات نہ ملنے کے خطوط آتے رہتے ہیں اس لئے یہاں سے باقاعدگی کے ساتھ پرچہ روانہ کیا جاتا ہے۔

پرچہ پہونچنے میں اگر تاخیر ہو تو اپنے پوسٹ آفس سے بھی معلوم کریں کہ پرچہ کیوں نہیں پہونچا، یہ دیکھا گیا ہے کہ ڈاک کی تقسیم میں گڑبڑی کی وجہ سے پرچہ ضائع ہوجاتا ہے۔ (منیجر)

تعمیرِ حیات

ہفت روزہ

شعبۂ تعمیر وترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۱۹ | ۲۵ جولائی ۱۹۸۲ء — ۳ شوال المکرم ۱۴۰۲ھ | شمارہ ۱۸

زرِ تعاون

اندرون ملک	پانچ روپے
فی پرچہ	ایک روپیہ
بیرون ملک بحری ڈاک جملہ ممالک	۵ پونڈ
ہوائی ڈاک ایشیائی ممالک	۷ پونڈ
افریقی ممالک	۸ پونڈ
یوروپ امریکہ	۱۰ پونڈ

اداریہ — محمد رابع ندوی

حالات خود ہمارے لائے ہوئے ہیں

عالمِ عرب میں اس وقت جو حالات ہیں وہ صرف افسوسناک ہی نہیں بلکہ ہر باحمیت مسلمان کے غور کرنے اور سمجھنے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم" کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی قوم کے حال کو نہیں بدلتا حتیٰ کہ وہ خود اپنے حال کو بدل دے۔ اسلام کے آنے سے قبل عرب جس حال میں تھے اس کو دیکھ کر ان کے کسی اچھے مستقبل کی توقع نہیں کیجاسکتی تھی، لیکن اسلام کا پیغام سینے سے لگانے کے بعد ان کے عام آدمی نے بھی نازک سے نازک قیادت کا فریضہ باحسن وجوہ انجام دیا اور نہ صرف یہ کہ اسلام کو بحیثیت مذہب کے دنیا کے ایک بڑے آباد خطے میں آناً فاناً پھیلا دیا بلکہ سیاسی لحاظ سے بھی مختلف عظیم ملک اور قومیں ان کے سامنے سرنگوں ہوگئیں اور پھر اسلام کی فتوحات کا یہ سلسلہ صدیوں جاری رہا۔

بیت المقدس کو ان عرب مسلمانوں نے اس طرح فتح کیا کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ صرف اپنے غلام کے ساتھ تشریف لے گئے اور عیسائیوں نے نہ صرف یہ کہ بیت المقدس کی کنجیاں ان کے حوالے کردیں بلکہ ان کو اپنے گرجے کے ایک رُخ پر نماز پڑھنے کی اجازت بھی دی۔ چنانچہ اسی جگہ آج تک مسجد عمر نام کی مسجد موجود ہے۔ اسی بیت المقدس کو بعد کے مسلمان اپنے پاس نہ رکھ سکے اور عیسائیوں نے قبضہ کرکے مسلمانوں کو اس سے بے دخل کردیا اور اس طرح ۹۰ سال تک مسلمان اس سے محروم رہے کیونکہ ان میں تفرقہ تھا۔ چھوٹے چھوٹے ذاتی مصالح پر آپسی لڑائیاں تھیں۔ خود غرضیاں اور نفاق تھا۔ لیکن جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے ان کو اسلام کے نام پر خدا و رسول کے نام پر اکٹھا کیا اور وہ اکٹھا ہوگئے تو عیسائیوں سے بیت المقدس بڑے شاندار طریقہ سے واپس لیا۔ بیت المقدس لینے کے یہ دو واقعے بڑے سبق آموز ہیں، ایک میں بہت پُرامن طریقہ سے کام لیا کیونکہ حضرت عمر جیسا خدا ترس اور معیاری قائد تھا دوسرے میں حمیت دینی و جذبہ قربانی کے ساتھ لیا کیونکہ سلطان صلاح الدین جیسا مخلص اور جانباز قائد تھا۔

آج بیت المقدس لینا تو بڑی بات ہے وہ چھوٹی موٹی طاقت جو اس کے لئے کچھ کرتی وہی مٹی جارہی ہے، جب کہ ملت اسلامیہ سابق زمانوں کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ تعداد میں ہے اور کئی گنا زبردست اسباب و وسائل رکھتی ہے۔

لیکن جنگیں نہ تو محض تعداد سے جیتی جاتی ہیں اور نہ محض اسباب و وسائل کی بنیاد پر جیتی جاتی ہیں اس کے برعکس اسلام ہم کو یہ بتاتا ہے کہ تھوڑی تعداد ایمان کے ساتھ بڑی تعداد پر بھاری ہے، اسلام نے ایمان واخلاص کی شرط رکھی ہے، اور یہی ایمان واخلاص آج ہماری سیاست میں، ہماری قیادت میں اور ہماری تدابیر وحکمت میں سب سے کم ہے۔

پہلے زمانہ میں ملت اسلامیہ کی کمزوریوں میں یہ شمار کیا جاتا تھا کہ ان میں تفرقہ ہے، ذاتی اغراض اور نفسی نفسی ہے لیکن اب رونا یہ ہے کہ ہمارے حکمراں اور قائد صرف نام سے ہمارے ہیں حقیقت میں وہ کسی بیرونی طاقت کے ہیں اور اگر بیرونی طاقت کے پوری طرح نہیں ہیں تو شیطان کے ساتھ ہیں۔ ہمارے حکمرانوں کی ساری جدوجہد اپنی قوموں اور رعایا سے لڑنے میں صرف ہوتی ہے۔ منہ پر جمہوریت اور قوم کا نام اور ورد رہتا ہے لیکن چھری جب چلتی ہے تو ان ہی کی گردن پر چلتی ہے —— شام جس کو اسرائیل سے لڑنے کا اور فلسطینیوں کی مدد کرنے کا سب سے زیادہ دعویٰ رہا ہے اور اس نے دو ایک بار دکھانے کے لئے ہلکی پھلکی جھڑپ بھی کی ہے، لیکن اس کی ساری طاقت اپنے عوام کو کچلنے اور حکومت سے اختلاف رکھنے والے بڑے بڑے ماہرین حرب وضرب کو مارنے میں صرف ہوتی رہی ہے، ابھی چند روز قبل حماۃ شہر کو اس طرح تباہ کیا کہ دشمن کے شہر کو بھی اس طرح تباہ نہیں کیا جاتا، ہزاروں ہزار افراد موت کے گھاٹ اتارے گئے اور نہ معلوم کتنی مسجدیں مسمار کردی گئیں کیونکہ شبہ یہ تھا کہ اختلاف رکھنے والے اس میں چھپے ہیں، اور حلب میں اور اس کے اطراف میں مسلسل مہینوں سے جو مار دھاڑ ہورہی ہے اس سے کس کو فائدہ پہونچ رہا ہے ظاہر ہے اسرائیل کو پہونچ رہا ہے کیونکہ اس حال میں شام کو اسرائیل پوری چھڑپ لینے کی طاقت نہیں، اور اس پر مستزاد یہ کہ شام کے موجودہ حکمراں نہ سنی مسلمان ہیں اور نہ شیعہ مسلمان بلکہ یہ علوی نام کے ایک فرقے سے تعلق رکھتے ہیں جو حیثیت سے قریب لیکن ایک گمراہ فرقہ ہے، اگرچہ وہ اپنے کو مسلمان کہلاتا ہے جیسے کہ قادیانی لیکن اسکے دل میں مسلمانوں سے انتقام لینے کا جذبہ پنہاں ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ایران کے اسلامی انقلاب والے حضرات اسی شام کے حکمرانوں سے محبت وتعاون کی پینگیں بڑھا رہے ہیں اور وجہ اشتراک صرف یہ ہے کہ وہ بھی امریکہ کو بُرا بھلا کہتا ہے اور سُنیت کے مقابلہ میں شیعیت سے نسبتاً قریب تر ہیں چنانچہ فلسطینیوں کی موجودہ جنگ میں وہ بھی صرف دکھاوے کے دو ایک اقدامات سے آگے نہ جاسکے۔

ایران وشام کے دوستوں میں ایک یہ بھی ہے اس کو معمر قذافی کی قیادت حاصل ہے جن کا زیادہ وقت اپنے بھائیوں کی کمزوریوں کے تلاش کرنے، تنقید کرنے اور انقلاب کرانے کی کوششیں کرنے پر صرف ہوتا ہے، پیسہ اور سامان حرب بھی خاصا اسی مقصد کی نذر ہوتا رہتا ہے اور فلسطینیوں کی حمایت میں ایسی ایسی وضاحت کہ معلوم ہوتا تھا کہ اب جب بھی موقع

(بقیہ صفحہ ۱۵ پر)

اس دائرہ میں اگر سُرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہوچکا ہے لہٰذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین وادب کا خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان، آپکی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ بیس روپے ارسال فرمائیے۔ اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ باخط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو دی۔ پی ہی سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ وی۔ پی خرچ Rs 24/25 کے مطالبہ میں دی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ باخط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

مولانا سید سلیمان ندوی

برکاتِ الٰہی

مسلمانوں کی ابتدائی زندگی فقر و فاقہ میں گزری وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کئی کئی دن گذر جاتے تھے ان کو کھانے کی کوئی چیز نہیں ملتی تھی۔ ایسی حالت میں اگر برکت الٰہی ان کو اپنا خاص مہمان نہ بنا لیتی تو کیا حشر ہوتا؟ انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تھوڑی سی روٹی اور مچھلی سے کئی سو آدمیوں کو شکم سیر کر دیا، اور یہ ان کا بڑا معجزہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک اور فیض رحمانی سے ایک دفعہ نہیں متعدد دفعہ اس قسم کے برکات ظاہر ہوئے۔

تھوڑے سے کھانے میں ستر اسّی آدمیوں کا سیر ہونا

ایک دن حضرت ابوطلحہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے محسوس کیا کہ آپ بھوک کی شدت سے ضعیف ہو رہے ہیں۔ گھر میں آئے اور بی بی ام سلیم سے کہا کہ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ضعیف آواز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھوکے ہیں۔ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انھوں نے جو کی چند روٹیاں دوپٹے میں لپیٹ کر حضرت انسؓ کے ہاتھ آپ کی خدمت میں بھیجیں، وہ روٹیاں لے کر آئے تو آپ صحابہ کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے حضرت انسؓ سامنے کھڑے ہوئے تو آپ نے پوچھا "کیا ابوطلحہ نے تمہارے ہاتھ کھانا بھیجا ہے؟" انھوں نے کہا "ہاں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام صحابہ کے ساتھ اٹھے، اور حضرت ابوطلحہ کے مکان پر تشریف لائے حضرت انسؓ نے ان کو خبر کی تو انھوں نے بی بی سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جماعت کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور ہمارے پاس کھانے کا کوئی سامان نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوطلحہ کے ساتھ آئے اور ام سلمہ سے کہا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہو لاؤ، انھوں نے وہی روٹیاں پیش کیں جو حضرت انسؓ کے ہاتھ بھیجی تھیں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ دس دس آدمیوں کو بلا بلا کے کھلاتے تھے اور شکم سیر ہو کے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ستر اسّی آدمی آسودہ ہو گئے۔

چھوہارے کے ڈھیر کا بڑھ جانا

حضرت جابرؓ کے والد نے اپنے اوپر یہودیوں کا قرض چھوڑ کر وفات کی، قرضداروں نے تقاضا کیا تو حضرت جابرؓ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ والد نے اپنے اوپر قرض چھوڑ کر انتقال کیا ہے اور بجز کھجوروں کے میرے پاس ادا کرنے کا کوئی سامان نہیں، صرف کھجوروں کی پیداوار سے کئی برس تک یہ قرض ادا نہیں ہو سکتا، آپ میرے ساتھ خلستان میں تشریف لے چلئے، تاکہ آپ کے ادب سے قرضدار مجھ پر سختی نہ کریں۔ آپ ان کے ساتھ تشریف لائے اور کھجوروں کا جو ڈھیر لگا ہوا تھا اس کے گرد چکر لگا کر دعا کی اور اسی پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اپنے اپنے قرض لیتے جاؤ، آپ کی دعا کی تاثیر سے ان ہی کھجوروں میں یہ برکت ہوئی کہ تمام قرض ادا ہو گیا اور جس قدر کھجوریں قرضداروں کو دی گئی تھیں اتنی ہی بچی رہیں۔

کھانے میں حیرت انگیز برکت

چونسو اصحاب صفہ بالکل محتاج تھے اور ان کے معاش کا کوئی سامان نہ تھا اس لئے آپ نے ایک بار حکم دیا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کے کھانے کا سامان ہو وہ اصحاب صفہ میں سے ایک کو اور جس کے پاس چار آدمیوں کی غذا ہو وہ دو کو اپنے ساتھ لے جائے اور کھانا کھلائے چنانچہ اس اصول کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ کے حصہ میں دس اور حضرت ابوبکرؓ کے حصے میں تین آدمی آئے یہ لوگ ابوبکرؓ کے گھر میں آئے، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے یہاں کھانا کھایا اور آپ کے ساتھ عشائی نماز پڑھی، اس لئے کسی قدر رات گذر گئی، وہ گھر میں دیر کر کے آئے تو ان کی بیوی ام رومان نے کہا کہ مہمانوں کو چھوڑ کر کہاں رہ گئے؟ انھوں نے کہا کیا تم نے ان کو کھانا نہیں کھلایا؟ وہ بولیں لیجئے تمہارے ان لوگوں نے کھانے سے انکار کر دیا، حضرت ابوبکرؓ نہایت برہم ہوئے اور ان لوگوں کو کھانا کھلانا شروع کیا، وہ لوگ جو لقمہ اٹھاتے تھے اس میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہوتا جاتا تھا، یہاں تک کہ جب وہ لوگ شکم سیر ہو کر کھا چکے تو بچا ہوا کھانا پہلے سے بھی زیادہ نکلا، حضرت ابوبکر اس برکت کو دیکھ کر ام رومان کی طرف مسرت سے دیکھا اور غصہ میں اگرچہ کھانے کی قسم کھا چکے تھے لیکن قسم توڑنے کیلئے ایک لقمہ اس میں سے کھایا اور تمام کھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ کے گھر بھیج دیا، وہ کھانا آپ کے گھر میں صبح تک رہا دوسرے روز آپ کی خدمت میں بارہ آدمی آئے جن میں سے ہر ایک کیساتھ کئی کئی آدمی خدا جانے کتنے تھے آپ نے وہ کھانا ان کے پاس بھیج دیا، وہ لوگ بھی سیر ہو گئے۔

گھی کی مقدار میں برکت

ام مالک کا دستور تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہمیشہ ایک برتن گھی ہدیۃ بھیجا کرتی تھیں، جب ان کے بچے سالن مانگتے اور گھر میں نہ ہوتا تو وہ اس برتن کو جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گھی بھیجتی تھیں اٹھا لاتیں اور اس میں سے بقدر ضرورت گھی نکل آتا ایک دن انھوں نے اس برتن کو نچوڑ لیا، پھر آپ کی خدمت میں آئیں تو آپ نے فرمایا "اگر تم نے اس کو نچوڑ نہ لیا ہوتا تو اس میں سے گھی نکلا کرتا۔

جو کی مقدار میں برکت

ایک بار ایک شخص نے آپ سے غلہ مانگا، آپ نے تھوڑے سے جو دے دئے اس میں اس قدر برکت ہوئی کہ وہ روز اپنے لئے، اپنی بیوی کے لئے، اپنے مہمان کے لئے اس میں سے صرف کرتا تھا، اور اس میں سے کمی نہ ہوتی تھی۔ ایک دن اس نے اس کو تولا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا، اگر تم اس کو نہ تولتے تو ہمیشہ ایک حالت پر قائم رہتا۔

کھانے میں حیرت انگیز اضافہ

غزوہ احزاب میں تمام مہاجرین اور انصار خندق کھود رہے تھے حضرت جابرؓ نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سخت بھوکے ہیں۔ وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انھوں نے ایک صاع جو نکالا اور گھر میں ایک بکری تھی، حضرت جابرؓ نے اس کو ذبح کیا، اور بی بی نے آٹا گوندھا گوشت دیگچی میں چڑھایا گیا تو حضرت جابرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لینے کے لئے چلے، بی بی نے کہا کہ دیکھو آپ کے ساتھ لوگوں کو لا کر مجھے رسوا نہ کرنا، حضرت جابرؓ آئے اور چپکے سے آپ کے کان میں کہا کہ ہم نے کھانے کا انتظام کیا ہے آپ چند اصحاب کے ساتھ تشریف لے چلئے لیکن آپ نے تمام اہل خندق کو پکارا کہ "آؤ جابر نے دعوت عام کی ہے"۔ اور حضرت جابرؓ سے کہا کہ "جب تک میں نہ آؤں چولھے سے دیگچی نہ اتاری جائے، اور روٹی نہ پکے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں کو لے کر روانہ ہوئے۔ حضرت جابرؓ گھر میں آئے تو بی بی نے برا بھلا کہنا شروع کیا، انھوں نے کہا میں کیا کروں، تم نے جو کہا تھا میں نے اس کی تعمیل کر دی، آپ آئے تو بی بی نے آپؐ کے سامنے آٹا پیش کیا۔ آپ نے اس میں اپنا لعاب دہن ملا دیا اور برکت کی دعا دی پھر اسی طرح دیگچی میں بھی لعاب دہن ڈالا اور دعائے برکت کی۔ اسکے بعد آپ نے روٹی پکانے اور سالن نکالنے کا حکم دیا۔ کم و بیش ایک ہزار آدمی تھے سب کھا کر واپس گئے لیکن گوشت اور آٹے میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔

حیات ملی میں خواص امت کا مقام

اور ان کی ذمہ داریاں

مولانا ابوالحسن علی ندوی

حضرات! میں اس تھوڑے سے وقت میں ایسے معزز حضرات کی خدمت میں کیا عرض کروں؟!

میں ایک حدیث سے مدد لیتا ہوں، صحیحین کی حدیث ہے "اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ، وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ، اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ" کلام نبوت کا نور اس میں صاف چمک رہا ہے، (غور سے سن لو جسم انسانی میں گوشت کا ایک ٹکڑا مضغۂ گوشت۔ ایسا ہے کہ اگر وہ درست ہو جائے تو جسم کا پورا نظام درست رہتا ہے، "واذا فسدت فسد الجسد کلہ" اور اگر اس میں بگاڑ آجائے تو پھر پورا جسم بگڑنے لگتا ہے، اس میں فساد پھیل جاتا ہے) معلوم ہے مضغۂ گوشت کیا ہے کونسا ہے؟ (آپ نے خود ہی اس کی تشریح فرمائی) "اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ" یا در کھو وہ دل ہے" تو میں سمجھ رہا ہوں کہ جس طریقہ سے جسم انسانی کا ایک قلب ہوتا ہے، امت کا بھی ایک قلب ہوتا ہے، انسانیت کا بھی ایک قلب ہوتا ہے، یہ قلب جسم انسانی کے اندر اپنے فرائض انجام دیتا ہے، اور اس انسانی جسم کا پورا نظام اس پر موقوف ہوتا ہے، یہ قلب اگر خراب ہو جائے (اور اس کی شکلیں بہت سی ہیں) اس بگاڑ کی اور اس بیماری کی نوعیت کچھ ہو لیکن جب قلب اس سے متاثر ہو جاتا ہے تو پورا جسم اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، اور پورا جسم اپنے اس نقطۂ اعتدال اور اپنے اس مقام سے ہٹ جاتا ہے جس مقام پر وہ تھا، اس وقت میں سمجھ رہا ہوں کہ میں کشمیر کے قلب، شاید قلب و دماغ دونوں سے خطاب کر رہا ہوں، ہم آپ سب خدا کے فضل سے صاحبِ قلب ہیں، اہل دل تو نہیں کہتا، اہل دل تو بہت بامعنی اور بہت بلند مفہوم رکھنے والا لقب ہے، شیخ سعدیؒ جہاں ذکر کرتے ہیں "صاحب دلے گفتہ" "صاحب دلے فرمود" کہتے ہیں، اہل دل کا تو بڑا مقام ہے لیکن ہم سب اصحاب قلوب ضرور ہیں، آپ غور فرمائیے، دل کے لئے جادۂ اعتدال پر رہنے کے لئے، اور اپنا فطری وظیفہ بحیثیت ایک مضغۂ گوشت، بحیثیت ایک جزء کے (لیکن کل کی تنظیم کرنے والے اور حفاظت کرنے والے عضو کے) بڑے نازک اور عظیم فرائض ہیں۔

اب میں عرض کروں گا کہ دل کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں، تاکہ وہ اپنا فطری وظیفہ ادا کر سکے اور جسم کا نظام درست رہے، پہلی چیز یہ کہ وہ زندہ ہو، سارا انحصار اس کی زندگی پر ہے، اگر دل مر گیا تو پھر کسی چیز کا سوال نہیں، کسی شاعر نے کہا ہے ؎

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگی ہی عبارت ہے تیرے جینے سے

پہلی شرط ہے کہ دل زندہ ہو، اس کا زندگی سے رشتہ جڑا ہوا ہو، دوسری بات یہ کہ دل میں حرکت ہو، دل متحرک ہو، اور آپ جانتے ہیں کہ دل کی حرکت بند ہوئی تو دل بھی ختم اور جسم بھی ختم، پھر زندگی کا کوئی سوال نہیں، دل کو حرکت میں رکھنے کے لئے کیا کیا تدبیریں کی جاتی ہیں، طبی جسمانی، عضوی اور اب میکانکی بھی[1] آپ سب جانتے ہیں کہ دل کو حرکت میں لانے کے لئے جس طریقہ سے ایک انسان اپنی زندگی کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے، اسی طرح معالجین اور اطباء اور ہارٹ اسپشلسٹ ہیں، اس کو حرکت میں لانے کے لئے کیا کیا تدبیریں کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حرکت میں آجائے، پھر آگے اس کو باقی رکھنے کی کوشش کی جائیگی، تیسری شرط یہ ہے کہ دل میں حرارت ہو، دل سرد اور افسردہ نہ ہو جائے، یہ تین شرطیں ہوئیں، حیات حرکت، حرارت۔

اب میں عرض کروں گا کہ جس خطہ، جس ملت، امت اور جس خاندان کے خواص ہوں ان کے لئے بھی یہ تین شرطیں ہیں، پہلے یہ کہ وہ زندہ ہوں، دوسرے یہ کہ وہ متحرک ہوں، تیسرے یہ کہ ان کے اندر حرارت ہو، اگر ان میں سے کوئی چیز چلی جائے اور خواص کا رشتہ زندگی سے منقطع ہو جائے، تو پھر عوام کا کیا حال ہوگا، آپ سمجھ سکتے ہیں، یوں سمجھئے کہ خواص پاور ہاؤس (POWER HOUSE) ہیں، ملت اسلامیہ، اور یہ ملت جو آج تک قائم ہے، اپنے اس پاور ہاؤس کے تعلق کی وجہ سے اس کا پاور ہاؤس کبھی بند نہیں ہوا، معطل نہیں ہوا، آپ دیکھتے ہیں، تھوڑی دیر کے لئے پاور ہاؤس آپ کے شہر کا کام کرنا چھوڑ دیتا ہے، اور اس کا ربط ٹوٹ جاتا ہے تو وائرس (بجلی کے تاروں) میں کرنٹ بند ہو جاتا ہے، اور ہر جگہ اندھیرا اور سردی پھیل جاتی ہے، تو ملت کا پاور ہاؤس اس کے خواص ہیں، تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ کسی دور میں اس ملت کا پاور ہاؤس بند نہیں ہوا، یہ امت کے تسلسل کی تاریخ درحقیقت خواص کے اصلاحی کارناموں کے تسلسل کی تاریخ ہے، اگر آپ اس کو ذرا گہرائی سے دیکھیں گے تو آپ جس کو ملت اسلامیہ کے بقا کی تاریخ کہتے ہیں، یہ ملت اسلامیہ کے خواص کی بقا اور تسلسل کی تاریخ ہے، ملت میں ہر دور میں ایسے لوگ موجود تھے، جو خود زندہ تھے، خود متحرک تھے، صاحب حرارت تھے، ان کی وجہ سے ملت کی رگوں میں خون کی تقسیم صحیح ہوتی تھی، آپ جانتے ہیں کہ دل خون تقسیم کرتا ہے، اس کی وجہ سے یہ خون رگوں اور شرائین میں دوڑتا ہے، تو ملت کے قلب نے کبھی اپنا کام بند نہیں کیا، ملتوں پر جو زوال آیا، اور ملتیں مٹ گئیں، اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کا پاور ہاؤس بند ہو گیا، آپ عیسائیت کی تاریخ پڑھیں، یہودیت کی تاریخ پڑھیں، آپ کو معلوم ہوگا کہ انبیائے بنی اسرائیل کے تھوڑے عرصہ کے بعد اسرائیلی پاور ہاؤس نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا، وہ کام کیا تھا، احتساب کا کام، امر بالمعروف نہی عن المنکر کا کام، حق و باطل میں تمیز کا کام، اور بے خوفی بے رعبی، خدا پر توکل، صحیح کلمۂ حق کہنا، ہر حال میں کوئی ناراض ہو کوئی راضی ہو، بنی اسرائیل کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس پاور ہاؤس نے اپنا کام کرنا چھوڑ دیا تھا، قرآن مجید میں اس کی شہادت ہے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ	اے ایمان والو! (اہل کتاب کے) بہت سے
الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ	عالم اور فقیر لوگوں کا مال ناحق کھاتے

[1] مثلاً (PACE MAKER) کی ایجاد اسی مقصد کے لئے ہے۔

یہ تقریر میرواعظ منزل میں جمعہ ۳۰ اکتوبر کو بعد نماز عصر علماء، ائمہ مساجد اور خواص کے ایک مؤقر مجمع کے سامنے میرواعظ مولانا محمد فاروق کی موجودگی میں کی گئی۔

اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط (التوبہ-۳۴) ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

اس سے بڑھ کر شاید شہادت نہیں ہو سکتی کہ بنی اسرائیل کا پاور ہاؤس کیا تھا؟ یا اس کے احبار و رہبان تھے، ان کے علماء اور مشائخ تھے، احبار و رہبان اگر آپ اس وقت کی اصطلاحات میں اور اسلامی ٹرمس (TERMS) میں ترجمہ کریں تو "علماء و مشائخ" ترجمہ ہوگا، ان کے اکثر علماء و مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے" وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" یعنی جو کام تھا وہ نہیں کرتے تھے، اور جو کام نہیں کرنا تھا، وہ کرتے تھے، اور اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ پاور ہاؤس نے اپنا اصلی کام چھوڑ دیا، دوسرا کام شروع کر دیا، یہ کانسٹیبل جو ٹریفک کنٹرول کرتا ہے، یہ اگر اپنی جگہ چھوڑ دے، اور پانی پلانے لگے، راستہ بتانے لگے تو سواریوں میں ٹکر ہو جائے، بیسیوں حوادث پیش آئیں، حالانکہ وہ کارِ خیر کر رہا ہے، بہت ثواب کا کام کرتا ہے، پیاسے کو پانی پلاتا ہے، دور تک جاتا ہے، راستہ بتانے کے لئے، لیکن وہ مستوجب تعزیر ہوگا کہ اس نے اپنا اصلی کام چھوڑ دیا، ڈیوٹی چھوڑ دی، علماء و مشائخ کا کام کیا تھا؟ اللہ پر بھروسہ کرنا، زہد و قناعت کی زندگی گذارنا، دوسروں کی جیبوں پر نظر نہ ڈالنا دوسروں کے مال کو نہ دیکھنا، اور جو ملے اس پر شکر کرنا، لیکن کیا کرنے لگے "يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ" وہ لوگوں کا باطل طریقہ پر مال کھانے لگے، خود محنت نہ کرتے دوسروں کی محنت سے فائدہ اٹھاتے، دوسروں کی محنت کیا ہے؟ اپنے اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنا، اس محنت سے تو یہ مفت میں فائدہ اٹھاتے ہیں، لیکن ان کی جو محنت تھی، انھوں نے جو پڑھنے میں محنت کی تھی، علم حاصل کرنے میں محنت کی تھی، اس کا نتیجہ لوگوں کو وہ دیتے نہیں، یہ اپنی محنت کے نتیجہ میں لوگوں کو شریک نہیں کرتے، اور لوگوں کی محنت کے نتیجہ پر وہ حاوی اور مسلط ہو گئے ہیں کہ اس کا بڑا حصہ انھیں کی نذر ہو جاتا ہے، "وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" ان کا کام تھا لوگوں کو راستہ بتانا، انھوں نے راستہ روکنے لگے یعنی بجائے رہبر کے رہزن بن گئے، اگر آپ ملتوں کی تاریخ پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کا پاور ہاؤس پہلے بند ہوا، اور ملت میں بعد میں فساد آیا، تحریف آئی۔

یہ ہر ملت کی تاریخ ہے لیکن ہماری ملت کی تاریخ یہ ہے کہ مختصر سے مختصر دور میں بھی اس کے پاور ہاؤس نے کام کرنا نہیں چھوڑا، اور یہ ایک ایسا تسلسل ہے کہ اگر کوئی شخص اس پر قسم کھائے تو وہ حانث نہیں ہوگا (یعنی اس کو کفارہ دینا نہیں ہوگا) اگر میں یہ کہوں کہ اس ملت کی تاریخ میں ایک مہینہ کی مدت بھی ایسی نہیں گذری کہ جس میں اس کا پاور ہاؤس بالکل خاموش ہو گیا ہو، اور کوئی خدا کا بندہ عالم اسلام کے کسی حصہ میں کسی ملک میں بھی نہیں رہا جو حق کو حق کہے، باطل کو باطل کہے تو یہ بات صحیح نہیں، اور اس کی سب سے بڑی شہادت صحاح کی روایت ہے کہ "لا تزال طائفة من أمتي قوامة على امر الله، لا يضرها من خالفها" (میری امت میں ہر دور میں، ہر زمانہ میں ایک جماعت ضرور رہے گی، جو حق پر قائم ہوگی، اور کوئی ان کی کتنی ہی مخالفت کرے، اور ان کی مدد نہ کرے ان کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتا۔)

اب کسی علاقہ کے لئے سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ وہاں کے خواص جو وہاں کا قلب ہیں وہ یا مردہ ہو جائیں یا غیر متحرک ہو جائیں، یا ان کی حرارت ختم ہو جائے بس اب یہیں دیکھنا یہ ہے کہ یہ تینوں شرطیں ہم میں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟ حیات، حرکت، حرارت اگر حیات ہے لیکن حرکت نہیں ہے، ہماری زندگی میں وقوف و تعطل پیدا ہو گیا ہے، تو جیسے بہتا ہوا پانی رکنے کے بعد خراب ہونا شروع ہو جاتا ہے، اور اس میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے، اسی طرح ہمارے معاشرہ اور حیاتِ ملی میں بھی فساد آ جائیگا، تیسری بات یہ کہ آپ کے اندر حرارت بھی ہو، یعنی آپ کے اندر تعلق مع اللہ، عشق رسول، لقائے رب اور جنت کا شوق، ایمان کی قوت، اور حق بات کہنے کی جرأت باقی ہو، تو پھر کوئی کتنی ہی سازش کرے اس جسم کو خراب کرنے کی، جسم خراب نہیں ہوگا، لیکن اگر قلب اپنا کام کرنا چھوڑ دے تو دنیا کی ساری سلطنتیں اور طاقتیں جمع ہو جائیں تو اس جسم کو زندہ نہیں رکھ سکتیں جس طریقہ سے کسی درخت کی اگر قوتِ نمو ختم ہو جائے تو آپ ہزار مرتبہ ہزار طریقے سے اس پر پانی گرائیں تو وہ درخت سرسبز نہیں رہ سکتا، تھوڑے دن میں وہ گر جائیگا، اور ایندھن بن جائیگا۔

حضرات! ہمیں تاریخ بتاتی ہے کہ ہندوستان میں ہر دور میں ایسے لوگ رہے جو حق بات کہتے تھے، اور ان کے اندر حرارت تھی، حرارت ایمانی اور حرارت عشقی ان کے اندر باقی تھی، جو شخص ان کے پاس بیٹھتا تھا، وہ متاثر ہوتا تھا، ان کے پاس سے گذر جانے والا بھی بعض اوقات محروم نہیں رہتا تھا، اس کو بھی آنچ پہونچتی تھی، اس میں بھی کرنٹ دوڑ جاتا تھا، یہ آپ تصوف کی تاریخ اور صوفیائے کرام کے ذکر میں سنتے ہیں، کہ ان کے اندر بھی تو کل کے بجائے تواکل[1] اور حرکت کے بجائے تعطل پیدا ہو گیا تھا، اور رسمیت آ گئی تھی، تو یہ بعد کی بات ہے، اور کسی حلقہ اور جگہ کے ساتھ مخصوص ہے، ہم ہندوستان میں دیکھتے ہیں کہ لوگ جو صوفیاء اور مشائخ کہلاتے تھے، ان کے ذریعہ سے عوام میں ایمان اور عمل کا ایک کرنٹ دوڑتا تھا، اور اگر ایک شہر میں ایک بھی ایسا آدمی ہوتا تھا تو اس شہر پر غفلت، جاہلیت، خدا فراموشی، دولت پرستی اور موقعہ پرستی کا پورا حملہ نہیں ہونے پاتا تھا، ہوتا تھا لیکن یہ نہ تھا کہ پورا معاشرہ اس کا شکار ہو جائے، اور اس بہاؤ میں بہہ جائے، ایسا نہیں ہوتا تھا، ایک آدمی بیٹھا ہے، خدا کا بندہ اور سارے شہر میں ایک گرمی سی معلوم ہوتی ہے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلی میں بیٹھے تو معلوم ہوتا تھا کہ دنیا کا مرکز ثقل یہی ہے، کیا سرکار، کیا دربار، کیا امیر کیا وزیر، کیا شاعر کیا ادیب، کیا عالم، ساری مخلوق ان کی طرف چلی آ رہی ہے، پھر خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کا دور آیا، اور سارا ماحول روشنی اور گرمی سے معمور و مخمور ہو گیا، ہر شہر میں ایسا رہا ہے، آپ اپنے کشمیر ہی کو دیکھ لیجئے، یہاں اللہ کا ایک شیر آیا، حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ اور سارے خطہ کو انھوں نے مسلمان بنا دیا، اور آج بھی ان کے خلوص کی برکت ہے، ان کی للّٰہیت کی برکت ہے، ساری خرابیوں کے باوجود بھی یہاں مسلمان ہیں، یہ کیا تھا؟ یہ وہی قلب کی حرکت و حرارت ہے، ایک قلب اس کا تناسب کیا ہوتا ہے، آپ دیکھئے جسم انسانی کتنا بڑا ہے، اور قلب کتنا چھوٹا ہے، لیکن یہ چھوٹا سا ٹکڑا (مضغۂ گوشت) سارے جسم پر حکومت کرتا ہے، اور سارے جسم کا صلاح و فساد اس سے مربوط ہے، خواص میں تعطل پیدا ہونا، خواص میں دنیا طلبی آنا، خواص میں دولت پرستی کا آنا، خواص میں انتشار پیدا ہونا

[1] ترک سعی عمل اور دوسروں پر بھروسہ

اصل خطرے کی بات ہے۔

میں ایک واقعہ سناتا ہوں، ایک بزرگ نے سنایا کہ حیدر آباد میں ایک بزرگ کے گھٹنے میں درد ہو گیا تھا تو میں اس میں قیروطی مل رہا تھا (جو وجع مفاصل اور جوڑوں کے درد کے لئے مفید ہے) ان کے خدام، معتقدین، مریدین جن کا بڑا حلقہ تھا جب مجلس میں بیٹھتے تھے خاموش مؤدب، بالکل معلوم ہوتا تھا کہ سب کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں "كأن على رؤسهم الطير" حضرت فرماتے ہیں، سب سنتے ہیں اس دن معلوم نہیں کہ کیا بات ہوئی کہ ایک یہاں سے بولا، ایک نے بات کہی ایک نے اس کو کاٹا، کسی نے اس کا جواب دیا، اور بالکل معلوم ہوتا کہ بزرگوں کی مجلس نہیں ہے، ہم کسی منڈی میں پہونچ گئے ہیں، مچھلی بازار یا سبزی منڈی میں، ادھر سے شور اُدھر سے شور، مجھے بڑا تعجب ہوا کہ آج ہو کیا گیا؟ آج کیا نئی بات ہے کہ یہاں بزرگ اپنی پوری خصوصیات کے ساتھ بنفس نفیس موجود لیکن آج معلوم ہوتا ہے کہ جیسے لوگوں کو احساس ہی نہیں کہ بزرگ سامنے بیٹھے ہوئے ہیں، انھوں نے میرا استعجاب و حیرت دیکھی تو گھٹنے کی طرف اشارہ کیا، میں سمجھا کہ یہاں درد زیادہ ہو رہا ہے تو میں وہاں ملنے لگا، پھر مجھے تعجب ہوا کہ لوگ اب بھی خاموش نہیں ہو رہے ہیں تو انھوں نے پھر گھٹنے کی طرف اشارہ کیا، تو میں ادھر ملنے لگا، میں نہیں سمجھا کہ کیا بات ہے، اس وقت وہ بزرگ میرے کان کے پاس منھ لائے، اور فرمایا کہ گھٹنے کے درد کی وجہ سے میں رات کے معمولات پورے نہیں کر سکا ہوں اس کی بے برکتی اور اس کی نحوست ہے، جو تم دیکھ رہے ہو، اچھا میں پوچھتا ہوں کہ ایک بزرگ کے اپنے معمولات کے چھوڑ دینے کا جب نتیجہ محفل پر ہوا تو کثیر التعداد خواص کے اپنے معمولات کے چھوڑ دینے کا کیا نتیجہ ماحول اور معاشرہ پر ہوگا؟ اب آپ ضرب لگائیے کہ ایک کا اثر اتنا تو چار کا کتنا، تو آٹھ کا کتنا، تو پچاس کا کتنا، تو اگر کسی جگہ کے سب خواص ایسے ہو جائیں، (خدانخواستہ) تو کیا حال ہوگا؟ اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے اسی حالت کو دیکھ کر کہا ہے ؎

رحم کر قوم کی حالت پہ تو اے ذکرِ خدا
بے ادب ہو گئی محفل تیرے اٹھ جانے سے

جب خواص کو عوام دیکھیں کہ دولت کی اہمیت ان کے دل میں بھی وہی ہے، عہدہ اور عزت کی اہمیت ان کے دل میں بھی وہی ہے جو ہمارے دل میں ہے تو بتائیے کہ پھر عوام پر کیا اثر ہوگا۔؟

کسی زمانہ میں خواص کا عالم تو یہ تھا کہ اللہ کا ایک بندہ ایک جگہ بیٹھا ہوا ہے اور وہ وہاں کے بادشاہوں اور حاکموں کو منہ نہیں لگاتا، ایک بزرگ کا میں واقعہ سناتا ہوں، ان کا نام ہے، شیخ الاسلام عزّ الدین بن عبد السلام سلطان العلماء کا خطاب تھا، اپنے زمانہ کے بہت بڑے (شاید سب سے بڑے) شافعی عالم تھے، دمشق میں قیام تھا، بادشاہ وقت کی کسی بات پر خطبہ میں نکیر کی، بادشاہ کو ناگوار ہوا، بادشاہ نے ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو علماء کے ساتھ نہیں کرنا چاہئے تھا، بے رُخی، اور بے توجہی، اس کے بعد وہاں کہیں سے اس کے معزز مہمان آئے، وہ بھی اپنے یہاں کے بادشاہ اور حاکم تھے، ان کو معلوم تھا کہ اس ملک کے سب سے بڑے عالم شیخ عزّ الدین بن عبد السلام ہیں، اور آج کل وہ معتوب ہیں، انھوں نے کہا کہ ہمارے ملک میں ایسا کوئی عالم ہوتا تو ہم اس کو سر پر بٹھاتے، تعجب ہے کہ آپ اپنے یہاں کے ایسے عالم کے ساتھ ایسا سلوک کر رہے ہیں، بادشاہ نے بُرا نہیں مانا، اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، لیکن بادشاہ تو بادشاہ ہی ہوتے ہیں، اس کو یہ خیال ہوا کہ اگر میں ایسے ہی چپ چاپ معافی مانگ لوں، اور کہوں مجھ سے غلطی ہوئی تو میری سبکی ہوگی، اور میرا رعب کم ہو جائیگا، تو خواص میں سے کسی کو بلایا، اور کہا کہ دیکھو حضرت سے یہ کہنا کہ میں کسی مجلس میں بیٹھا ہوا ہوں تو وہ تشریف لائیں اور دست بوسی کرلیں، میرا احترام قائم رہے گا، لوگ بھی دیکھ لیں گے، اس کے بعد بات رفع دفع ہو جائیگی، جب کسی نے ان سے جا کر کہا تو انھوں نے کہا کہ تم کس خیال میں ہو؟ واللہ میں تو اس پر بھی راضی نہیں کہ وہ میری دست بوسی کرے، چہ جائیکہ میں اس کی دست بوسی کروں، یہ لفظ تاریخ میں موجود ہے، بالکل ان کے الفاظ "لا أرضى أن يقبل يدي فضلاً عن أن أقبل يده" ایسے ہی ہمارے دہلی کے (جو حقیقی سلاطین دہلی کہلانے کے مستحق ہیں) بہت سے مشائخ عظام کا بھی یہی حال تھا، بادشاہ دہلی نے ایک مرتبہ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں سے کہا اللہ نے مجھے بڑی دولت دی ہے، حکومت دی ہے کچھ قبول فرمائیں، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ" دنیا کی متاع قلیل ہے، اس قلیل میں سے ایک قلیل ٹکڑا ہندوستان ہے، پھر اس میں سے ایک قلیل ٹکڑا وہ جو آپ کے قبضہ میں ہے (مثل مشہور تھی سلطنت شاہ عالم از دہلی تا پالم) اگر اس اقل قلیل میں سے میں بھی حصہ بٹاؤں تو کیا رہ جائیگا؟ ایسے ہی ایک مرتبہ بادشاہ نے کہا کہ میں ایک رقم پیش کرتا ہوں، آپ نے معذرت کی، بادشاہ نے کہا غرباء میں تقسیم فرمائیں، فرمایا، مجھے اس کا بھی سلیقہ نہیں، آپ اپنے لوگوں کے ذریعہ تقسیم کرا دیں، یہاں سے بانٹتے چلے جائیے قلعہ تک پہونچتے پہونچتے ختم ہو جائیگی، نہ ختم ہوگی تو وہاں جا کر ختم ہو جائیگی ایسے ہی سیکڑوں قصے ہیں۔

یہ شالیں تھیں، جو لوگوں کے دلوں میں گرمی پیدا کرتی تھیں، دنیا کی، مال کی محبت فطرتِ انسانی ہے "وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ" مال کی محبت انسان کی فطرت میں داخل ہے، لیکن اس کے مقابلہ میں یہ شالیں جب آتی تھیں، استغنا کی، بے نیازی کی، دنیا کے جاہ و حشم سے بے رغبتی کی، تو لوگوں میں ایمان تازہ ہو جایا کرتا تھا، اور قوتِ مقابلہ ابھر آتی تھی، اور پھر مسلم معاشرہ تنکے کی طرح نہیں بہتا تھا، جیسے آج بہتا ہے۔

خواص کے لئے صرف حیات و حرکت ہی کافی نہیں، بلکہ حرارت بھی ضروری ہے، اور حرارت کہاں سے پیدا ہوتی ہے؟ حرارت پیدا ہوتی ہے ذکر اللہ سے، حرارت پیدا ہوتی ہے دعا اور مناجات و توکل سے، اللہ کے راستہ میں تکلیف اور کچھ مجاہدہ کرنا پڑے تو دل میں حرارت پیدا ہوتی ہے، یہ فقر و قناعت کے قصے جو آپ تاریخ میں پڑھتے ہیں، اور یہ حضرات جن کے قصے ہیں انھوں نے کسی مجبوری سے اس کو نہیں اختیار کیا تھا یہ ان کے دل کی آواز تھی، اور اس مجبوری سے ضرور اختیار کیا تھا کہ وہ اپنے دل سے مجبور تھے، یعنی اندر سے کوئی ان کے یہ کہتا تھا کہ نہیں یہ نہیں ہو سکتا، ہم دولت کے بندے نہیں ہیں، ہم طاقت و اختیار کے بندے نہیں ہیں۔

اس کی ضرورت ہے کہ یہ خواص کا طبقہ باقی رہے، اپنی خصوصیات کے ساتھ اس میں زندگی رہے، اس میں حرکت رہے، اور کوئی جگہ کوئی مقام اللہ کے ان بندوں سے خالی نہ ہو، جن کو کوئی تہمت نہیں لگا سکتا تھا کہ یہ بک گئے، ہزار تہمتیں سہی، فلاں نے

غلطی کی، فلاں کے علم میں فلاں کمی ہے، فلاں چیز نہیں بتائی، لیکن یہ کہ بک گئے، کسی کو تہمت نہ لگائی جا سکے، یہ سمجھئے کہ امت کی حفاظت کا گُر ہے کہ ایک ہی دو آدمی چاہے ہوں، لیکن ایسے ہوں کہ شکوک و شبہات سے بالاتر ہو چکے ہوں "مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْءٍ"، جو حضرت یوسفؑ کے متعلق امرأۃ العزیز نے یہ بات کہی تھی، جب بادشاہ نے پوچھا کہ آخر قصہ کیا ہے؟ تمام شہر میں چرچا ہے، تو اس نے کہا "مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْءٍ" سچی بات یہ ہے کہ کوئی کمزوری ہم نے ان میں نہیں دیکھی، تو آج بھی امرأۃ العزیز ہی کا مقابلہ ہے، دولت کو امرأۃ العزیز زلیخا کہہ لیجئے، طاقت کو زلیخا کہہ لیجئے، وجاہت کو زلیخا کہہ لیجئے، اور یوسفؑ مصری، یوسف عزیز کون ہیں؟ دین! دین کو ایسا ہی ہونا چاہئے کہ کوئی اس کو خرید نہ سکے، اور سب شہادت دیں کہ "مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْءٍ" در و دیوار سے یہ آواز آئے کہ کھرا سونا ہے جس کا جی چاہے پرکھ لے، سچی بات یہ ہے کہ امت کا مزاج جو اس وقت تک باقی ہے یہ انھیں بندگان خدا اور اہل دل کی وجہ سے ہے کہ جن کی وجہ سے یہ امت ہوا میں اڑ نہیں گئی، جیسے اور امتیں خشک پتوں تنکے کی طرح اڑ گئیں، یا پانی میں بہہ نہیں گئی، جیسے اور امتیں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس ملت کی ہدایت اور اس کا دینی احتساب کا کام جاری ہو، نمازوں میں ترقی ہو رہی ہے اس پر نظر ہو کہ تناسب کم ہو رہا ہے؟ یا بڑھ رہا ہے، مسجدیں خالی ہو رہی ہیں کہ بھر رہی ہیں؟ قمار خانے زیادہ آباد ہیں کہ مسجدیں زیادہ آباد ہیں؟ مسلمانوں میں کوئی نئی بیماری تو نہیں پھیل گئی، مثلاً شراب نوشی، قمار بازی کی، یا کسی خراب عادت اور بیماری کی ترقی تو نہیں ہے؟ اس سب کی فکر رکھنا، اور اس سے متفکر اور غمگین ہونا، اس کا صدمہ ہونا کہ مسلمانوں میں یہ چیز غلط پھیل رہی ہے، اچھی چیز ختم ہو رہی ہے، خواص امت کا فریضہ اور طبعی وظیفہ ہے، یہ تبلیغی جماعت کا بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے خواص کو عوام تک پہونچا دیا، پہلے عوام کو خواص کے پاس لاتے تھے، اس نے خواص کو عوام سے جوڑ دیا، میں یہ نہیں کہتا کہ یہی واحد طریقہ ہے، لیکن عوام سے ربط ہونا چاہئے، ان کے پاس جانا چاہئے، محلوں اور گلیوں میں جانا چاہئے، تاکہ دیکھا جا سکے کہ دین بڑھ رہا ہے یا گھٹ رہا ہے، ترقی ہے کہ تنزلی ہے، کیا چیز نئی پیدا ہوئی، اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے کہا ہے ؎

نقشوں کو تم نہ جانچو لوگوں سے مل کے دیکھو
کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے

حضرات! میں اس وقت اس حال میں نہیں ہوں کہ اس سے زیادہ عرض کروں، اور نہ اس کی ضرورت ہے، میں سمجھتا ہوں کہ مغز کی بات ہو چکی۔[1] آخر میں حدیث شریف برکت کے لئے دہراتا ہوں" قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم "اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ"

---

[1] مقرر تقریر ختم کر کے بیٹھ گئے تھے کہ ان کو ایک بات یاد آئی، انھوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ عقیدۂ توحید راسخ کرنے، شرک کی بیخ کنی اور عقائد کی اصلاح میں قرآن مجید سے بڑھ کر کوئی تریاق اور قوی التاثیر چیز نہیں ہے، علماء کو چاہئے کہ وہ شہر اور ملک کے مختلف مقامات پر درس قرآن کو رواج دیں، اور شرح و تفسیر میں خاص طور پر عقیدۂ توحید اور رد شرک پر زور دیں، پنجاب میں مولانا حسین علی صاحب (ساکن واں بھچراں ضلع میانوالی) اور شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری نے اس سے بڑا کام لیا، اور ہزاروں، لاکھوں انسانوں کو اس سے نفع پہونچا اور ان کے عقائد کی اصلاح ہوئی۔

نعت

از: محمد احمد دلکش، ایم اے، ایم ایڈ

السلام اے شافع محشر سلام — السلام اے ساقی کوثر سلام
السلام اے رونق محراب دیں — السلام اے زینت منبر سلام
سید مکی مدنی مرحبا — السلام اے مظہر شان خدا
آپ سے دنیا میں نور دیں ہوا — دعوت دیں سے ظہور دیں ہوا
آپ کی تبلیغ پیہم کے طفیل — اہل دنیا کو شعور دیں ہوا
سید مکی مدنی مرحبا — السلام اے صاحب صدق و صفا
دشمنوں پر بھی تھی باران کرم — مرحبا یہ آپ کی شان کرم
فتح کعبہ پر کیا سب کو معاف — سایہ افگن یوں تھا دامان کرم
سید مکی مدنی مرحبا — السلام اے صاحب عفو و عطا
آپؐ امین و صادق و عادل حضورؐ — قول حضرتؐ، دین کامل کا ظہور
سنت و قرآں کا جو حامل ہوا — ہو گیا حاصل اسے عرفاں کا نور
سید مکی مدنی مرحبا — السلام اے دو جہاں کے رہنما
صاحب معراج و بینا و حکیم — صاحب قرآن و دانائے عظیم
آپ تھے درس خدا سے فیضیاب — اُمّی تھے لیکن وحی کے تھے فہیم
سید مکی مدنی مرحبا — السلام اے صاحب علم و ذکا
ہیں معلم اور ہادی آپؐ ہی — بے مثالی زندگانی آپؐ کی
آپ پر ہر دم خدا کی رحمتیں — ظلمتوں میں آپؐ نے کی روشنی
سید مکی مدنی مرحبا — السلام اے حامی و درد آشنا
اتباع لازم ہے ہم پر آپؐ کا — آپ ہی بیشک ہیں شاہ دوسرا
آپ کی خوشنودی فضل خدا — ہے ہمیں تو آپؐ ہی کا آسرا
سید مکی مدنی مرحبا — السلام اے غمزدوں کے ہمنوا
خاک پا دلکش کو ہو جائے عطا — صدقۂ رحمت ملے بہر خدا
آپ کو ہے نذر سوغات درود — آپؐ کی خوشنودی، میرا مدعا
سید مکی مدنی مرحبا — السلام اے تاجدار دوسرا

حرم کعبہ میں عید

چہ نسبت است بطحا کے مستوں، اور متوالوں، جمال حق کے مشتاقوں اور انوار الٰہی کے شیدائیوں کے لئے شب عید لیلۃ الجمعہ کے اجتماع سے بڑھ کر خوشی اور اکتساب فضائل کا اور موقع بھی کون سا ہو سکتا ہے، وہ تو دیوانہ وار اس شعر کے مصداق بنے ہوئے تھے

عید و عید و عید صرن مجتمعہ
وجہ الحبیب و یوم العید والجمعۃ

(عیدیں ایک ساتھ جمع ہو گئیں، محبوب کا دیدار، یوم عید اور جمعہ کا دن)

اکتساب فضائل کا ایک بہترین موقع ان کے ہاتھ لگا سعادت کی ان گھڑیوں سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کی غرض سے انھوں نے اپنے آپ کو آستانہ رب البیت پر ڈال دیا، کبھی پروانہ کی طرح شمع کعبہ کے ارد گرد والہانہ انداز میں طواف کرنا شروع کیا تو کبھی کعبہ کی چوکھٹ اور حجر اسود کے درمیان ملتزم سے لپٹ کر گویا اس دلی تمنا کے ساتھ مصروف آہ و فغاں ہو رہے ہیں کہ ؎

بہت روؤں لپٹ کر لیلئے کعبہ کے دامن سے
یہ بارش آنسوؤں کی نخل ہستی پھر ہرا کر دے
اسے چوموں حبیبؐ کبریا جس کو چوما ہے
کہ شائد لذت عشق نبیؐ سے آشنا کر دے

کبھی حطیم کے اندر میزاب رحمت کے نیچے حق تعالیٰ کی رحمت کے جویائے تو کبھی سجدہ ریز ہو کر گڑگڑانا شروع کر دیا۔ غرض ان حضرات کے لئے تو عید اور عیدگاہ کا مضمون حصول رضائے حق کے سوا اور کچھ نہ تھا وہ تو زبان حال سے یہی کہہ رہے تھے کہ ؎

عید گاہ ما غریباں کوئے تو
انبساط عید دیدن روئے تو

اور ساری التجائیں اور فریادیں اسی ایک آس اور امید پر ہیں کہ ؎

بس ہے اپنا ایک بھی نالہ اگر پہونچے وہاں
گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالۂ فریاد ہم

شب زندہ دار لوگوں نے شب عید کو زندہ رکھ کر اپنے درد کی دوا کر لی اور قلب کو زندہ کر لیا۔

جمعہ کی بابرکت صبح عید کی پر انوار کیفیات مسرت کو اپنی آغوش نورانی میں لئے ہوئے افق عالم پر نمودار ہوئی اتباع سنت کے شیدائی صبح نماز سے فارغ ہو کر عید کے غسل اور ناشتہ کے لئے گھر کی طرف گئے صف اول میں جگہ لینے کے خواہشمند فریضۂ صلوٰۃ سے فارغ ہو کر اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہے، عید کی نماز حرم میں عموماً طلوع آفتاب کے آدھ گھنٹہ بعد ہوتی ہے۔ جوق در جوق حرم شریف کے ہر ہر دروازہ سے لوگ داخل حرم ہو رہے ہیں اور راستہ میں فرشتۂ رحمت کی خوش خبری بگوش ایمان سنتے ہوئے پہونچتے ہیں۔

فاذا کانت لیلۃ الفطر الخ (حدیث) پھر جب عید الفطر کی رات ہوتی ہے تو اس کا نام آسمانوں پر لیلۃ الجائزہ (انعام کی رات) رکھا جاتا ہے اور جب عید کی صبح ہوتی ہے تو حق تعالیٰ جل شانہ فرشتوں کو تمام شہروں میں بھیجتے ہیں وہ زمین پر اتر کر تمام سڑکوں کے کنارے ہو جاتے ہیں۔ اور ایسی آواز سے جس کو انسان اور جنات کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے پکارتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس رب کریم کی طرف چلو جو عطا فرمانے والا ہے اور بڑے سے بڑے قصور معاف کرنے والا ہے۔ پھر جب لوگ عیدگاہ کی طرف نکلتے ہیں تو حق تعالیٰ جل شانہ فرشتوں سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا بدلہ ہے اس مزدور کا جو اپنا کام پورا کر چکا ہو، وہ عرض کرتے ہیں کہ اے معبود ہمارے اس کا بدلہ یہی ہے کہ مزدور کو پوری مزدوری دیجائے۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں اے فرشتو میں تمھیں گواہ بناتا ہوں میں نے ان کو رمضان کے روزوں اور تراویح کے بدلہ میں اپنی رضا اور مغفرت عطا کر دی اور خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے بندو مجھ سے مانگو میری عزت و جلال کی قسم آج کے دن اس اجتماع میں مجھ سے اپنی آخرت کے بارے میں جو سوال کرو گے اس میں تمہاری مصلحت پر نظر کروں گا۔ میری عزت کی قسم جب تم میرا خیال کرو گے میں تمہاری لغزشوں کی ستاری کرتا رہوں گا میری عزت و جلال کی قسم میں تمہیں مجرموں (کافروں) کے سامنے رسوا اور ذلیل نہ کروں گا۔ بس اب تم بخشے بخشائے ہوئے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ، تم نے مجھے راضی کر دیا اور میں تم سے راضی ہو گیا۔ بس فرشتے اس ثواب و اجر کو دیکھ کر جو اس امت کو افطار کے دن ملتا ہے خوشیاں مناتے اور بشارت سناتے جاتے ہیں۔" (ترغیب ترہیب)

پہنچے دیکھتے دیکھتے حرم پاک لبالب بھر گیا اور لوگ حرم شریف کے باہر دور دور تک سڑکوں پر جمع ہونے لگے ایک سمت سے تکبیریوں کی ایک جماعت نے والہانہ حجازی لہجہ میں اس طرح غلغلۂ تکبیر بلند کیا۔

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

جواب میں دوسری سمت کے جمع شدہ تکبیریوں کی جماعت نے حق جل شانہٗ کی عظمت و بڑائی کے ان کلمات کو خوش الحانی کے ساتھ ادا کیا۔ آمنے سامنے اس طرح باری جل شانہٗ کی بزرگی اور حمد کے تکرار اور کیف پرور اقرار و اظہار کے بعد ایک مرتبہ ان پر عظمت و جلال الفاظ کو فضائے نورانی میں بلند کیا۔

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد

اس کے بعد تدریجاً وقفہ ہوتا اور پھر اس طرح تکبیر کا سلسلہ شروع ہو جاتا حاضرین حرم محترم بھی ساتھ ہی ساتھ ان مبارک کلمات کو دہراتے رہتے توحید ربانی و تعظیم سبحانی کے نغموں کا سلسلہ اس طرح جاری رہتا تاآنکہ گھڑی نے گیارہ بجنے کے بعد منٹوں کی سوئی کو ۲۲ کے ہندسہ پر پہنچایا، امام حرم آگے بڑھا۔ موذن نے رقت آمیز لہجہ میں الصلوٰۃ الجامعۃ الصلوٰۃ الجامعۃ پکارا مصلیین نے صفیں آراستہ کرنی شروع کر دیں۔ آن کی آن میں رب کعبہ کے لاکھوں پرستاروں کا ایک عظیم الشان حلقہ کعبہ شریف کے ارد گرد دور تک بنیان مرصوص کی طرح قائم ہو گیا۔ امام نے تکبیر کہی اور مصلیوں نے بھی اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھ لی بس اب ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہونچے تو سبھی ایک ہوئے

اب عاجز بندہ بصد عجز و نیاز اپنے مالک بے نیاز و ذرہ نواز کے سامنے دست بستہ حاضر ہے، اس کی بخشش و رضا کا طلبگار، اس کے انعام و اکرام پر شکر گزار، فریضۂ صیام ادا کر سکنے کی توفیق پر شاکر و شاداں یوم عید کے حصول پر بار بار الفاظ تکبیر کی تکرار کر رہا ہے، امام نے اللہ اکبر کہا سب نے مل کر ایک ہی ساتھ رکوع اور قیام بھی کیا، سجدہ بھی، قعدہ بھی نماز پوری ہوئی، امام منبر پر تشریف لائے، خطبہ شروع ہوا جھنڈا لہرا دیا گیا جس کو دیکھ کر اظہار مسرت کے طور پر پہاڑ کے سنتری نے ۲۱ توپیں یکے بعد دیگرے چلائیں۔ مگر وائے یہ جہالت مرکز، مرکز اسلام میں ضعف اعمال کا یہ حال دیکھ کر رونا آتا ہے کہ بعض لوگوں نے خطبہ سننے کے بجائے اپنے اپنے مصلے اور سجادے بغل میں دبائے اور ایک دوسرے سے جلد نکلنے لگے، حالانکہ عید کا خطبہ سننا واجب ہے۔ متشرع اور پابند قسم کے لوگ برابر بیٹھے رہے، باقی لوگوں نے اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔ تاہم خدا کا شکر ہے کہ خطبے کے لئے بیٹھے رہنے والوں کی تعداد اچھی خاصی نظر آ رہی تھی خطبہ

(بقیہ ص ۱۵ پر)

سعید الاعظمی الندوی

صبر کا مقام، مومن کی زندگی میں

غور کیجئے تو زندگی کا ہر شعبہ صبر و استقامت کے فیض کا رہین منت ہے، بلکہ ایمان و عمل صالح اور اس کے مفید ثمرات و نتائج کا ظہور صبر کے بغیر ناممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامی نے صبر کی اہمیت پر پورا زور دیا ہے اور کتاب و سنت میں صبر کی ترغیب اور اس کو اختیار کرنے کی طرف بار بار توجہ دلائی گئی ہے، کہیں فرمایا گیا ہے کہ مومنو صبر کرو اور اس پر جمے رہو، کہیں فرمایا گیا ہے کہ صبر کرنے والوں کو بشارت ہو" اور کہیں صبر کرنے والوں کو پورے اجر دیے جانے کا وعدہ فرمایا گیا ہے اور کہیں اسے عزم مومن کی نشانی بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف آیات میں مندرجہ بالا مضامین کو بیان کیا ہے اور ساتھ ہی صبر کے امتحان کا بہت سی آیتوں میں ذکر فرمایا ہے۔

حقیقت ایمان کے ساتھ صبر بھی ایک ایسی ناگزیر ضرورت ہے جس کے بغیر مومن کا منزل مقصود تک پہونچنا سخت دشوار ہے، انبیاء کرام علیہم السلام نے صبر کے دامن کو مضبوطی سے تھام کر اپنا اپنا تبلیغی مشن انجام دیا۔ اگر ان کی زندگی میں صبر کا عنصر بھرپور نہ موجود ہوتا اور وہ اس کو ہمہ دم نہایت سرگرمی سے اپنے اوپر نافذ نہ فرماتے تو اتنے دشوار گذار مراحل کو طے کر کے وہ کسی حال میں بھی کامیابی کی منزل تک نہیں پہونچ سکتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تاریخ نبوت صبر کے نہایت عظیم الشان اور درخشاں ترین باب سے مزین ہے، آپ نے صبر کا جو معیار قائم کیا اس کی مثال تاریخ کے کسی دور میں نہیں مل سکتی۔ اس سے یہ بات بالکل کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مقصد جتنا ہی اہم اور جس قدر پاکیزہ ہوگا صبر کی آزمائش اس میں اسی کے بقدر زیادہ ہوگی،

زندگی کے کسی بھی اجتماعی یا انفرادی کام میں کامیابی کی منزل تک پہونچنے کے لیے صبر ایک بنیادی شرط ہے اکثر دیکھا گیا ہے کہ کسی فرد یا جماعت نے بڑی سرگرمی اور اہمیت کے ساتھ ایک مفید ضرورت کو پوری کرنے کے لیے منصوبہ بنایا اور اس کے پیچھے ساری طاقتیں لگادی گئیں اور بہترین صلاحیتیں اور قربانیاں اسی کی راہ میں بے تکلف پیش کر دی گئیں مگر نتائج کے اعتبار سے اس میں ناکامی اس لیے ہوئی کہ وہ صبر و استقامت کے عنصر سے یکسر خالی تھا اور اس عنصر کے فقدان کے باعث آپس میں اختلافات ظاہر ہوئے، یا اگر انفرادی معاملہ ہوا تو دوسری جہات سے مخالفت میں آوازیں اٹھیں اور اس کام سے لوگوں کا اعتماد اٹھ گیا۔

صبر کو اپنانے اور اس کو عقیدہ کی پختگی کے ساتھ اختیار کرنے کا معاملہ بھی بہت صبر آزما ہے۔ اسی لیے مومن کی زندگی میں اس کی تربیت (TRAINING) دینے اور اس کو دل کی گہرائیوں میں راسخ کرنے کے لیے ایک ایسے نصاب (COURSE) کی ضرورت ہے جو انسان کا تیار کیا ہوا نہ ہو بلکہ منزل من اللہ ہو۔ اور بار بار اس کو دہرایا جاتا ہو، میں سمجھتا ہوں کہ ماہ صیام صبر کا وہ نصاب ہے جس کو سال میں ایک بار پوری قوت کے ساتھ دہرانے اور اس کو عملی طور پر زندگی میں نافذ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، صبر کا معاملہ اتنا اہم اور پیچیدہ اور مشکل نہ ہوتا تو شاید زندگی میں ایک بار سے زیادہ اس نصاب کو پورا کرنے کی ضرورت نہ پیش آتی لیکن اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کو سال کے تین سو ساٹھ دنوں میں سے تیس دن تک مسلسل شب و روز عملی حیثیت سے نافذ کرنے اور اس پر سختی سے عمل درآمد کرنے کا حکم ہے،

یہی وجہ ہے کہ زندگی کا کوئی ادنیٰ شعبہ بھی صبر کے اہم کردار کے بغیر کامیاب نہیں قرار دیا جاسکتا، ایک مومن کو قدم قدم پر اس کی احتیاج ہوتی ہے اور وہ ایک کامیاب و مطمئن زندگی کا تصور ہی نہیں کرسکتا جب تک صبر کی دولت سے اس کا ظاہر و باطن معمور نہ ہو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود اس کے کہ آپ رسول تھے اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر سختی سے عمل پیرا تھے اور صبر آپ کی زندگی کا سب سے نمایاں وصف تھا مگر بار بار صبر کرنے اور صبر کو اپنانے کا حکم دیا جاتا ہے کہ مبادا آپ کسی وقت اپنی قوم کی اذیت ناک تکلیفوں اور ناقابل برداشت اذیتوں کی وجہ سے گھبرا جائیں اور دامن صبر ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے اسی لیے "فاصبر وما صبرك إلا بالله" اور "واصبر علی ما یقولون"، جیسے احکام کی تلقین میں قرآن کریم نے کسی لحہ بھی کمی نہیں کی۔

صبر کی تربیت کے لیے رمضان کا مہینہ اور روزے کا فریضہ نازل فرمایا گیا اور اسکی زبردست اہمیت کے پیش نظر اسلام کا ایک بنیادی رکن اس کو قرار دیا گیا۔ مشہور حدیث شریف میں صاف صاف وارد ہے۔

" بنی الاسلام علی خمس: شهادة أن لا اله الا الله وان محمداً رسول الله، واقام الصلوة وايتاء الزكاة والحج وصوم رمضان "

اگر آج کے مسلم معاشرہ میں دوسرے اور ارکان کو چھوڑ کر صرف آخری رکن رمضان کے مہینے میں روزے رکھنے کا تناسب دیکھا جائے تو غالباً بہت مایوس کن نتیجہ برآمد ہوگا اور اچھے خاصے مسلم گھرانوں کے اکثر افراد اس دولت بے بہا سے محروم نظر آئیں گے، حالانکہ ان کو اس معیوب طریقۂ زندگی کا خوب احساس بھی ہے اور اس کے جو برے نتائج سامنے آتے ہیں اس سے وہ دوچار بھی ہوتے ہیں لیکن وہ روزے کی پابندیوں پر صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور انجام کار کے طور پر وہ ہر طرح کی ذلت، ناکامی اور بدحالی و مشقت کی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ اگر سوال کیا جائے کہ آج مسلمانوں کی زندگی میں یہ انتشار کیوں ہے اور وہ ہر حیثیت سے اتنے پست و ذلیل کیوں ہیں تو جواب میں یہ کہنا کچھ خلاف واقعہ نہیں ہوگا کہ ان کی زندگیاں صبر جیسے اہم ترین عنصر سے بالکل خالی ہیں اور وہ اپنے مقصد کی راہ میں کسی ادنیٰ درجے کی مشقت و محنت کے خوگر بھی نہیں رہ گئے، کسی قسم کی تکلیف یا آزمائش گوارا کرنے کی ان میں قطعاً کوئی صلاحیت باقی نہیں رہ گئی ہے، جب کہ زندگی نام ہے مسلسل آزمائشوں کا اور صبر آزما مراحل سے ہمہ دم گذرنے کا۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ "واستعینوا بالصبر والصلاة ان الله مع الصابرين" (مدد چاہو صبر اور نماز سے، دراصل اللہ تعالیٰ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں)۔

تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی میں صبر کی اہمیت کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی پوری توفیق عطا فرمائیں۔

یادِ ایام (تاریخ گجرات)

از: مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ مصنف نزہۃ الخواطر

اسلامی عہد کے گجرات کی مختصر مگر جامع تاریخ جس میں گجرات کے تمدنی و ثقافتی، علمی و ادبی کارناموں پر خاص طور پر روشنی ڈالی گئی ہے اور تعمیری تاریخ نگاری کی ایک عمدہ مثال قائم کی گئی ہے، ملک کے نامور عالم و مصنف مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے اس پر مقدمہ لکھا تھا۔ فاضل مولف نے جس خوبی سے اس مختصر رسالہ میں گجرات کی اسلامی تاریخ کے مختلف پہلو دکھائے ہیں وہ فی الواقع مورخانہ اور ادیبانہ دونوں حیثیتوں سے قابل داد ہیں۔

گجرات سے اسلامی تعلقات کی ابتداء۔ گجرات میں مسلمانوں کی خود مختار سلطنت، شاہان گجرات کے خصائص حکمرانی، گجرات کے مشاہیر و وزراء، مشائخ و علماء کے کارناموں کا تعارف اور ان پر تبصرہ۔ گجرات کا نقشہ بھی کتاب میں شامل ہے۔ عمدہ کتابت و طباعت۔ قیمت پانچ روپے

صفحات: ۹۴

ملنے کا پتہ: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ ندوۃ العلماء لکھنؤ

غلامانہ ذہنیت اور اس کے خطرات

مفکر اسلام انور الجندی

ترجمہ: محمد اکرم ندوی

اسلامی فکر کی مرحلہ وار تبدیلیوں کے جائزہ سے یہ بات آشکارا ہوگئی ہے کہ وہ تمام کوششیں جو اسلام کے تشخص کو ختم کرنے کے لئے کی گئی ہیں، ان میں سب سے زیادہ خطرناک کوشش مغرب کی ذہنی غلامی میں مبتلا کرنے کی سازش ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ اسلام اپنا مستقل وجود کھودے، اور مسلمان دوسری قوموں کا جز بن جائیں۔

یہ سازش نئے نئے رنگ بدلتی رہتی ہے اس کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ دنیا کا اندر مغربی، صیہونی اور مارکسی اثر و نفوذ کو قائم کیا جائے، مسلمانوں کو غلام بنا کر رکھا جائے، ان کی قوت ایمانی کا خاتمہ کردیا جائے اور عالم اسلامی کے مادی وسائل اور ثروتوں پر قابض ہونے والی فتوحات کے خلاف . . . . . مسلمانوں کی محاذ آرائی کو پارہ پارہ کردیا جائے۔

اس سے قبل ارکان استعمار کے بہت سے جابروں اور سرکشوں نے مسلمانوں کے مذہب کو جہاد کے تصور سے عاری کرنے ان کے اتحاد کو قومی اور علاقائی اختلافات کے ذریعہ ختم کرنے اور عصری اسلوب میں باطنیت اور مجوسیت کے نظریوں اور فلسفوں کو ان پر مسلط کرنے کے ذریعہ ان کے خلاف جنگ کی دعوت دی تھی، لیکن مسلمان ہمیشہ اپنے اس اسلامی تصور کو برقرار رکھنے کے لئے کوشاں رہے جو ان کا خاص امتیاز تھا، اور اپنے آپ کو دوسری قوموں کے نظریات و تصورات کا شکار ہوجانے سے بچاتے رہے۔

کرومر نے "اصلاح" کی دعوت سے اسی بات کی کوشش کی تھی، اس کا کہنا تھا کہ "اصلاح" کی کوشش کے کامیاب ہونے کے بعد اسلام، اسلام باقی نہیں رہ سکتا۔ "اصلاح" کی دعوت کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ اسلام کے اہم اور اساسی اصولوں میں شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں، چونکہ اسلام کے اصول ربانی اصول ہیں اس لئے وہ مغربی اصلاح کے اس تصور کے تابع نہیں ہوسکتے جس سے کلیسا آشنا ہے اور نہ ہی تبدیلی کے اس مفہوم کو قبول کرسکتے ہیں جو مغرب میں معروف و مشہور ہے۔

عقیدہ، قانون اور اخلاق کے سلسلہ میں اسلام کا قانون اٹل ہے، اصلاح و تبدیلی صرف فروعات کے ساتھ مخصوص ہے، ان اصولوں میں کسی طرح کی اصلاح و تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے۔

جس طرح اسلام نے اپنے تصورات کو قوموں کی خواہشات اور تہذیب و تمدن کا پابند نہیں بنایا اور مادی ترقی کی راہ میں بلند اقدار کی قربانی کو پسند نہیں کیا، اسی طرح اسلام اس تبدیلی کو ہرگز قبول نہیں کرسکتا ہے جو اس کے تشخص اور بنیادی اقدار پر اثر انداز ہو، ان مصنوعی نظریات و تصورات کے اندر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جیسی یا جس سے بہتر چیز اسلام کے اندر نہ ہو۔

عقیدہ، قانون اور اخلاق کے سلسلہ میں اسلام کا تصور یہ ہے کہ ان کے اندر تجدید و اصلاح کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ ان کی بنیادیں مستحکم ہیں اور ہر زمان و مکان کا ساتھ دینے کی ان کے اندر صلاحیت ہے، اگر تبدیلی و اصلاح کی ضرورت ہے تو ان کو عملی جامہ پہنانے اور تعلیم و تعلم کے طریقوں میں ہے، یہی وہ چیزیں ہیں جن میں دوسروں کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ڈاکٹر جلال احمد امین کے بقول جب چینی اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ کوئی نیا مذہب ان کے ذاتی نظریہ و تصور کی برتری و تفوق میں شک و شبہ پیدا کرے (حالانکہ ان کا مذہب صرف وثنیت اور خرافات پر مشتمل ہے) تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے ذاتی نظریہ و تصور کے سلسلہ میں شک و شبہ کریں، ہر اس دعوت کا مقابلہ نہایت ضروری ہے جو ہمارے بنیادی اصولوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنا چاہتی ہو، اسی طرح وہ تمام کوششیں اس امت کے تشخص کو ختم کرنے کی کوششیں ہیں جو ہماری ادبی خصوصیات یا ہمارے اخلاقی معیار کا مذاق اڑائیں، یا ہمارے پختہ مذہبی اصولوں کی تخفیف کریں یا زمانہ کے ساتھ ان کی ہم آہنگی میں شکوک پیدا کریں۔

اس کے بعد ڈاکٹر جلال احمد امین لکھتے ہیں کہ ہم پر اقتصادی اور صنعتی برتری و تفوق رکھنے والے ممالک کی تاریخ کے مطالعہ کرنے والے کو ایک مثال بھی ایسی نہیں مل سکتی، جس میں (خاص طور سے ابتدائی مرحلہ میں) اقتصادی ترقی کو سخت قومی جذبات اور دوسری قوموں پر برتری کے احساس سے تقویت و تائید نہ حاصل ہوئی ہو، جب یہ ثابت ہوگیا کہ یہی قومی تشخص تمام بند دروازوں کے کھولنے کی کنجی ہے، تو کیا کسی بھی قوم کے لئے روا ہے کہ اس کنجی کی تحقیق و تفتیش سے کنارہ کش ہوجائے، اور عربوں اور مسلمانوں کے لئے یہ کنجی ان کا دین و مذہب ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ہمیں اقدار و قیم کی روشنی میں ان علوم و معارف کے سلسلہ میں وہ رویہ اختیار کرنا چاہئے جو رویہ علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے سلسلہ میں اختیار کیا جاتا ہے، لیکن کیا اس کی بھی کوئی ضمانت ہے کہ ان علوم کو ہم پر اقتدار و تسلط حاصل کرنے کے وسیلہ کے طور پر استعمال نہیں کیا جائے۔

اسلام صالح اور مفید نظام اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ جمہوریت یا اشتراکیت یا سرمایہ دارانہ نظام کے مطابق ہے یا یہ کہ اس کے اندر انفرادی آزادی ہے اور اجتماعی مفاد کی رعایت ہے، حق و باطل اور خیر و شر کے سلسلہ میں اسلام کے خود اپنے ذاتی معیار ہیں بارہا کہا گیا ہے کہ اسلام کے اندر جمہوریت ہے اشتراکیت ہے لیکن خود اسلام اس کو ماننے کے لئے کبھی بھی تیار نہیں ہوسکتا ہے اسلام ایک ربانی مذہب ہے جو انسان کے ایجاد کردہ افکار و نظریات کے تابع نہیں ہوسکتا۔

ذہنی غلامی کی سازش اعداء اسلام کی ناپاک ترین کوششوں میں سے ہے انھوں نے مسلمانوں کو مغربی طرز رہائش کی چمک دمک دکھا کر فریفتہ کیا اور اس کے اندرونی زہر کو ان سے مخفی رکھا یہاں تک کہ اس کا خیال بھی نہیں رہا کہ خاندان و معاشرت بلکہ زندگی کی ہر سطح پر مغربی تہذیب کے اندر گھن لگ چکا ہے، اور اس کے اندر لہو و لعب، شراب، اباحیت اور جنسیت کی روح کارفرما ہے، ڈاکٹر عمر فروخ لکھتے ہیں:

" قومیں نیست و نابود نہیں ہوتی ہیں (یعنی قوموں کے افراد روئے زمین سے نہاں نہیں ہوجاتے ہیں) لیکن قومیں جب اپنے تہذیب و تمدن کو کھو دیتی ہیں اور دوسری قوموں کے تہذیب و تمدن کو قبول کرلیتی ہیں تو ان کا خاتمہ ہوجاتا ہے، اور قوموں کا خاتمہ ایک دوسری حیثیت سے بھی ہوتا ہے جب کہ وہ کارزار حیات میں پسپا ہوجاتی ہیں، اپنی خصوصیات سے عاری ہوجاتی ہیں اور اپنی روحانی تہذیب کھو بیٹھتی ہیں اس وقت وہ انسانی مجموعہ کی طرح ہوجاتی ہیں زندگی میں جس کا حصہ صرف اس قدر ہوتا ہے کہ اپنے سے طاقتور انسانوں کی تقلید کریں اور جب بھی لوگ کارزار حیات میں پسپا ہوجاتے ہیں تو ان کے اندر تقلید کا مادہ بڑھ جاتا ہے، یہاں تک کہ اپنی صلاحیتوں کو کھو دیتے ہیں جس کے بعد ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ دوسروں کی تقلید کریں۔

ہمارا حال یہ ہوگیا ہے کہ ہم مغرب کی تقلید مفید اور نفع بخش چیزوں میں نہیں کرتے ہیں بلکہ نہایت معمولی اور حقیر چیزوں میں کرتے ہیں۔ جب تک عرب تہذیب و تمدن کے وسائل و ذرائع پر قابض تھے اس وقت تک دنیا کے رہنما تھے، لیکن اب یہ حال ہوگیا ہے کہ مغرب کی معمولی چیزوں کو بھی زیادہ قیمت میں خریدتے ہیں اور اپنی قیمتی چیزوں کو معمولی قیمت میں فروخت کر ڈالتے ہیں۔

تقلید ذہنی غلامی کا نتیجہ ہے، زندگی کے تمام میدانوں میں اور خاص طور سے معاشیات کے میدان میں ہم ایک خاص طریقہ سے سوچنے کے عادی ہوگئے ہیں۔ اور مغرب کے اجتماعی نظریات پر آمنا و صدقنا کہتے ہیں۔

یہ ایک سازش ہے، جس کا مقصد یہ

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

مادیت سے روحانیت کی طرف

از: مولانا محمد الحسنی مرحوم

ہماری دنیا موجودہ دنیا کے متعلق آج جو بھی کہا جائے اور لکھا جائے اس میں شبہ نہیں کہ اس کا سب سے بڑا مذہب "نفس پرستی" اور اس کا سب سے بڑا پیر "شکم" ہے۔ اور یہ ایسا بین الاقوامی پیر ہے کہ اس کا حلقہ ارادت مشرق و مغرب اور عرب و عجم ہر جگہ پھیلا ہوا ہے اور اس کا سکہ ہر ملک میں رواں ہے، اس نے بہت سے چھوٹے چھوٹے پیروں مثلاً قومیت، آمریت، رنگ و نسل اور زبان و وطن کے پجاریوں کو اپنی بساط بچھانے اور اپنا حلقہ بنانے کی اجازت ضرور دے رکھی ہے لیکن اس شرط پر کہ سب اس کے ماتحت بن کر رہیں اور اسی سے "کسب فیض" کریں اور ہر فائدہ و آمدنی میں اس کو مقدم رکھیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سوسائٹی کی نظروں سے معیار اوجھل ہو گئے ہیں جو اس ہمہ گیر مذہب اور اس کے سب سے بڑے پادری یا پروہت کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے تھے اور اسکے سارے اثرات (جس کو ہم اپنی نئی زبان میں معیار زندگی کی بلندی، بہتر اقتصادیات، مادی ترقی اور معاشی خوشحالی جیسے خوشنما ناموں سے تعبیر کرتے ہیں) سے آزاد ہو کر اپنے عمل سے یہ اعلان کرتے تھے کہ انسانیت صرف اچھا کھانے، اچھا پہننے اور اچھے مکان میں رہنے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ انسان کی ایک ایسی ضرورت ہے جس کی تکمیل قدر و شکر گزاری اور اطمینان کے ساتھ ہونی چاہئے، بچوں کی طرح اس کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنا ناقدروں کی طرح اس پر گرنا اور اس کو پاکر اپنے کو کھو دینا انسان کے جوہر عالی اور اس کی بلندی استعداد کی سخت ناقدری اور توہین ہے۔

یہ انسانی معیار جو خدا کے فضل سے ہر زمانہ میں اور ہر جگہ پائے جاتے تھے اس زمین میں خدا کی نشانی بن کر اور انسانوں کے اس جنگل میں پرچم کی طرح بلند ہو کر اس بات کی دعوت دیتے تھے کہ اپنے کو اس نفس کی غلامی اور اس شکم کی امیدی سے آزاد کرو جس کی وجہ سے خدا کی ایک مخلوق "گائے" بیل اور سور کتے کے ذلیل نام سے پکاری جاتی ہے اور جس کے سامنے صرف دو چیزیں ہوتی ہیں، اپنی خواہش اور اپنا پیٹ۔

نفس پرستی اور شکم پرستی اور اس کے نتیجہ میں مادیت و حیوانیت کی تاریک گھٹاؤں نے جب کسی ملک اور معاشرہ یا کسی آبادی اور قبیلہ کو اپنی لپیٹ میں لیا ہے اس وقت اللہ کے مخلص اور مقبول بندوں اور عالی ہمت و بلند حوصلہ انسانوں نے دنیا کے رواج و دستور، انسانوں کے قیاس و تجربہ، رائج الوقت معلومات مسلمات اور ہوا کے رخ کے خلاف ایک ایک ایسے طرز زندگی اور ایسی سطح کا نمونہ پیش کیا جس میں خزف ریزوں اور ٹھیکیداروں اور روپیوں اور اشرفیوں میں کوئی فرق باقی نہیں رہ گیا تھا اور شاہ و گدا سب برابر ہو گئے تھے اور ان کے ساتھ جو رویہ اور برتاؤ تھا وہ صرف اللہ کے حکم، شریعت کے فیصلے اور سنت نبوی کی روشنی و رہنمائی میں تھا۔

انسانیت کے ان اعلیٰ نمونوں میں (جو اس زمین کی برکت اور پوری انسانیت کی قابل فخر دولت ہیں) اور نفس پرستی اور شکم کی بالادستی اور حکمرانی پر ہمیشہ سخت ضرب لگائی اور یہ بتایا کہ کام و دہن کی لذت اور خواہشات نفس کی تکمیل سے بڑھ کر ایک اور لذت ہے جس کا مزہ چکھنے کے بعد آدمی ان حقیر اور فانی لذتوں کی طرف مڑ کر دیکھنا بھی نہیں چاہتا، البتہ اس کا مزہ چکھنے سے پہلے کچھ قربانی، ایثار اور صبر کی ضرورت ہوتی ہے آج کی دنیا میں جس چیز پر سب سے زیادہ زور دینے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو بتایا جائے اور بار بار یاد دلایا جائے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کیسی عظیم اور عجیب و غریب صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں اور کیسے کیسے مقامات اور درجات اس کی زد اور دسترس میں ہیں اور اگر درجات اس کی زد اور دسترس میں ہیں اور اگر خدا کی توفیق شامل حال ہو اور ایک دفعہ ہمت کر کے نفس کی بندش یا کشش سے آزاد ہو جائے تو کیسے عالم کیسی لذتیں کیسی کیسی جنتیں اس دنیا ہی میں اس کی منتظر ہیں۔ "لهم البشریٰ فی الحیاۃ الدنیا و فی الآخرۃ" (ان کے لئے دنیا میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی) اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک عارف اور حقیقت شناس نے فرمایا تھا "لو علم الملوک ما نحن فیہ لقاتلونا بالسیوف"۔ اگر بادشاہوں کو خبر لگ جائے کہ ہم لوگ کس مزے میں ہیں تو (رشک و حسد) سے تلواریں لے کر ہمارے مقابلہ پر آجائیں۔

اور اس میں ادنیٰ تعجب اور مبالغہ کی بات نہیں جب صرف مادی وسائل کو ترقی دے کر آدمی ہوا میں چڑیوں کی طرح اڑ سکتا ہے اور پانی میں مچھلیوں کی طرح تیر سکتا ہے اور ستاروں پر کمند ڈال سکتا ہے اور جب ایک انسان محض اپنے جسم کو ترقی دے کر مشق و ریاضت بہم پہنچا کر اور خود اعتمادی اور خود شناسی کے ذریعہ جسمانی شعبہ میں حیرت انگیز کمالات دکھا سکتا ہے اور ناممکن کو ممکن بنا سکتا ہے تو کیا یہ انسان اپنے دل اور روح کی صلاحیتوں اور مخفی طاقتوں کو بروئے کار لا کر ان مقامات تک نہیں پہونچ سکتا جن کے سامنے یہ سارے دنیاوی کمالات اور اور مادی ترقیات و عجائبات بچوں کے کے کھیل یا مٹی کے گھروندوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔

اس کو بتایا جائے کہ خدا شناسی اور خود شناسی کی بد دولت اور ایک مظلوم و عاصی انسان کہاں سے کہاں پہونچتا ہے، کس طرح مٹی سے سونا بنتا ہے، ذرہ سے آفتاب بنتا ہے کس طرح اس دنیا میں رہ کر دنیا سے بے نیاز ہوتا ہے، کس طرح اس دنیا میں جنت کے مزے لوٹتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنے دل پر خدا کی "نظر کرم" دیکھتا ہے اور اس کے انعامات نوازشوں، بشارتوں اور خوش خبریوں سے خوش اور سرفراز ہوتا ہے ؎

جو ہم دل پہ اس کا کرم دیکھتے ہیں
تو دل کو بہ از جام جم دیکھتے ہیں

کس طرح اس مخلوق کے لئے فیض و سخاوت کا سمندر بن جاتا ہے اور کس طرح اس کے انوار و برکات سے آشنا و بیگانہ، دوست و دشمن اور قریب و بعید اپنی اپنی استعداد اور ظرف اور توفیق الٰہی کے بقدر مستفید ہوتے ہیں اس کی ذات خلائق کے لئے مرکز و مرجع بن جاتی ہے اور اس کے اثرات زمانہ اور مسافت کے پردوں کو چیرتے ہوئے آنے والی نسلوں تک پہونچتے ہیں۔

کس طرح اس کی دعاؤں سے مصیبتیں ٹلتی ہیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں اور اس کا وجود رحمت و سکینت کی چادر بن کر پورے ماحول پر محیط ہو جاتا ہے، کس طرح اس کی محبت انسانوں کے دل میں ڈال دی جاتی ہے۔ اور وہ کشاں کشاں اور افتاں و خیزاں اس کے پاس پہونچتے ہیں اور دیوانہ وار و بے قرار ہو کر اس کا ہاتھ تھامتے ہیں اور اس کے پیچھے چلنا اپنی سعادت جانتے ہیں اور اور اس کی ہر جنبش لب اور ہر نگاہ غلط انداز کو باعث افتخار اور سرمایۂ امتیاز سمجھتے ہیں اور زبان حال سے گویا ہوتے ہیں۔

آناں کہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

کس طرح وہ چھپنا چاہتا ہے اور چھپ نہیں سکتا، دنیا سے منہ موڑتا ہے اور دنیا اس کے قدموں پر گرتی ہے، امراء و بادشاہوں سے دور رہنا چاہتا ہے۔ اور وہ اس کی تلاش میں پیچھے پیچھے گھومتے ہیں، کس طرح وہ خویش و اقارب اور خاندان و قبیلہ کی حدود کو پار کر کے پوری انسانیت کا سرمایہ، زمین کی زینت اور دنیا والوں کے لئے برکت بن جاتا ہے

ان کو بار بار اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنے ان مادی وسائل، قلبی قوتوں اور ذہنی و عملی صلاحیتوں اور مخفی طاقتوں کا کچھ حصہ، نفس اور شکم کی پستی سے بلند ہونے، مادیت کے قفس زریں سے آزاد ہونے، اور اپنے ملک و آقا کی طرف خلوص دل اور انابت و ندامت کیساتھ متوجہ ہونے پر صرف کریں۔

وہ اپنے وقت کا کوئی ادنیٰ حصہ اپنے محاسبہ اور اپنی زندگی کے جائزہ پر خرچ

کریں، جو کمزوریاں ان کو نظر آئیں اس کو دور کرنے کی کوشش کریں، توفیق پر شکر ادا کریں، دل کے داغ دھبوں کو اپنے آنسوؤں سے غسل طہارت دیں کہ اس کے لئے کوئی دوسری چیز معتبر نہیں ہے۔ "واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ" (صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو) کو اپنا اصول بنائیں، ان کو اپنی نفسیاتی خواہشات جسمانی لذتوں، اور مادی فائدوں کا تھوڑا بہت خون ضرور کرنا ہوگا۔ اپنے دل پر جبر بھی کرنا پڑے گا — کبھی اس کو سزا بھی دینی ہوگی، کبھی سمجھا بجھا کر ہموار کرنا ہوگا۔ ترغیب اور ترہیب دونوں طریقے آزمانے ہوں گے۔

دل و دماغ نگاہ تینوں چیزوں کی پاسبانی اور نگرانی کرنی ہوگی۔ اس لئے کہ اگر یہ قابو میں آجائیں گے تو پھر اعضا و جوارح اور عملی و جسمانی شعبے بھی اس کے ماتحت ہو جائیں گے۔

یہ ضرور ہے کہ کچھ عرصہ اس مجاہدہ اور اس تربیت کے بعد آگے کا راستہ آسان ہو جاتا ہے خود اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے "والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا" (جو لوگ ہمارے راستہ میں کوشش کریں گے ہم ان کو اپنے راستوں کی طرف ضرور رہنمائی کریں گے)۔

لیکن یہ معاملہ زندگی بھر کا معاملہ ہے، زندگی بھر کی کشمکش، اور عمر بھر کی آزمائش ہے اور اسی آزمائش و فتنہ پر اجر و ثواب کا دار و مدار ہے۔

اتنی بات ضرور ہے کہ نیکی کے راستہ پر بڑھنے کے بعد برائی کی قوتیں قدرتی طور پر کمزور پڑ جاتی ہیں اور بدی کے راستہ پر آگے بڑھنے سے نیکی کی قوتیں خود بخود کمزور اور مضمحل ہونے لگتی ہیں۔

لیکن یہ کشمکش مرتے دم تک باقی رہے گی اور کامیاب وہی سمجھا جائے گا جس کو اللہ تعالیٰ اس نازک وقت میں بھی فتنہ اور آزمائش سے بچالے اور اپنے "مقربین" اور "اصحاب یمین" میں شامل کرے ؎

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

نگران اعلیٰ
مولانا ابو العرفان ندوی

مجلس ادارت
شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی

پرنٹر، پبلشر جمیل احمد ندوی نے لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس کینٹ روڈ لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر "تعمیر حیات" شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لئے شائع کیا۔

اِدھر بھی ایک نظر

کلام صوفی: قیمت: چالیس روپے

حضرت سید عبد الرب صوفی رحمۃ اللہ علیہ کا منتخب کلام ایک مرد مومن کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی پکار جس کے لفظ لفظ سے امت کا درد اور للٰہیت ٹپکتی ہے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم اور شاہ محمد ابراہیم ایم۔ اے کے بیش بہا مقدمات سے مزین۔ کاغذ۔ کتابت۔ طباعت۔ جلد۔ ہر چیز معیاری۔

کتاب کے ابواب: حمد۔ نعت۔ مدح صحابہؓ۔ یاد حرم۔ ایمانی شجاعت۔ اصلاح امت۔ تحریک ایمان۔ درد ملت۔ رد بدعت۔ مناظرانہ جوابات۔ رموز فطرت۔ سوز و ساز۔ اللہ والوں سے محبت۔ دعائیں۔

ہر باب کے ذیل میں گوناگوں عنوانات۔ پانچ سو سے زائد صفحات۔ سائز ۲۰×۲۶/۱۶

اہم سفر: قیمت: چار روپے

قرآن و حدیث اور بزرگوں کے کلام سے ایسے مؤثر مضامین۔ حکایات اور اشعار جو سفر آخرت کی تیاری کی فکر پیدا کر دیں، نیز اس سفر سے متعلق مسائل بھی۔

تحریک ایمان: قیمت: دو روپے

تبلیغی کام اور دینی دعوت سے متعلق حضرت سید عبد الرب صوفی رحمۃ اللہ علیہ کی دل گداز اور پر سوز نظمیں جن پر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کا مبسوط اور مؤثر پیش لفظ بھی ہے۔

زبانی نصاب: قیمت: چار روپے

مسنون دعائیں۔ اسلامی آداب۔ اور دینی جذبہ کو ابھارنے والی نظموں کا مجموعہ مکاتیب اسلامیہ کے نصاب میں داخل کئے جانے کے لائق کتاب۔

نقشۂ دینی نصاب: قیمت: پچاس پیسے

قرآن مجید صحیح پڑھنے پڑھانے کے ضروری قواعد۔ تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں مفید ہدایات۔ کم وقت میں ضروریات دین پڑھانے کا نصاب وغیرہ۔

روزی میں برکت اور بلاؤں سے حفاظت کے لئے

آسان رزق (اردو) تین روپے۔ آسان رزق (گجراتی) تین روپے۔
آسمانی روزی ڈیڑھ روپیہ — راہ امن ایک روپیہ

ملنے کا پتہ: محمد یونس صدیقی، خادم مدرسہ دعوۃ الحق۔ کڈی۔ اتر گجرات
P.O. KADI. N. GUJRAT.

منی آرڈر کوپن پر پتہ صاف اور خوشخط لکھیں نیز خریداری حوالہ نمبر ضرور تحریر کریں۔

(منیجر)